لیل و نہار کا فتویٰ نمبر حریت فکر کا ایک باب

ڈاکٹر حمادرسول*

Abstract

Lailo-Nahar is a renowned and worth full. Literary Journal which played a very vital role to educate, enlighten the society. Syed Sib-e-Hassan who is a world famed Marxist writer, historian and anthropologist. Toneup and up lift this journal.

This research article deals the critical analysis and impact of this special issue "Fatwa, Jawab-e-Fatwa". Infact this issue is a eye opener and a filler for the stagnant society.

ہفت روزہ لیل و نہار (۱۹۵۷ء تا ۱۹۷۰ء) لاہور پاکستان سے شائع ہونے والا ایک روشن خیال فکر کا حامل ادبی جریدہ تھا۔ سید سبطِ حسن اور فیض احمد فیض اس کے مدیران میں شامل تھے یہ رسالہ اپنی حریتِ فکر کے باعث عوام میں بالخصوص بائیں بازو کے طبقے میں بہت مقبول ہوا۔ یہ ادبی رسالہ دو ادوار میں شائع ہوا ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء کے نفاذ کے بعد حکومت نے نشر و اشاعت کے اداروں کو اپنی تحویل میں لے لیا جس کی وجہ سے پروگریسو پیپرز لمٹیڈ کے تحت شائع ہونے والے اخبارات پاکستان ٹائمز، امروز اور ہفت روزہ لیل و نہار قومی تحویل میں لے لیے گئے بعد ازاں ہفت روزہ لیل و نہار اپنی معیار کو برقرار نہ رکھنے کی وجہ سے بند ہو گیا۔

سید سبطِ حسن کو لیل و نہار کی ادارت سے الگ کر دیا گیا حالانکہ حکومت نے اس بات کا وعدہ کیا تھا کہ وہ ان اداروں سے وابستہ لوگوں کو برطرف نہیں کرے گی۔ لیکن برطرفی کا جو پہلا حکم نامہ جاری کیا گیا وہ سید سبطِ حسن کے حوالے سے تھا جو کہ ایڈمنسٹریٹر سرفراز نے جاری کیا تھا۔ سید سبطِ حسن پر اخبارات اور رسائل کے دروازے بند کر دیئے گئے۔

حکومت کے پاس لیل و نہار کے دو تین برس کے شماروں کے علاوہ اُن کی تحریروں کے کچھ اور ثبوت موجود تھے۔ مثلاً ''انقلاب چین زندہ باد'' انہوں نے لکھا جس پر کسی کا نام نہیں تھا اور جسے حکومت پنجاب نے ضبط کر لیا تھا اور اسی ضبطی کے خلاف لاہور ہائیکورٹ میں مہینوں مقدمہ چلتا رہا تھا۔ ۱۹۵۱ء میں گرفتاری اسی ضبطی کے خلاف لاہور ہائیکورٹ میں مہینوں مقدمہ چلتا رہا تھا۔ ۱۹۵۱ء میں گرفتاری سے قبل وہ تین چار برس زیرِ زمین رہے تھے۔ اس لیے

* اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اُردو بہاالدین زکریا یونیورسٹی' ملتان

ان کی تحریروں پر کسی کا نام نہیں ہوتا تھا۔ راولپنڈی سازش کیس کے بعد سینکڑوں افراد کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ ان میں سے اکثر پر لاہور کے شاہی قلعہ میں تشدد کیا گیا تھا اور اس طرح دیگر معلومات کے علاوہ تلوار کی طرح کاٹ کرتی ہوئی تحریروں کے لکھنے والے کی بھی نشاندہی ہو گئی تھی اور حکومت نے فیصلہ کیا کہ اس شخص کو لکھنے اور اپنی بات لوگوں تک پہنچانے کے حق سے محروم کر دیا جائے۔ سبط حسن کے لکھنے پڑھنے پر پابندی کے بارے میں میڈم نور جہاں نے کہا تھا:

> ''ایک روز مجھ سے سبط کی خیریت پوچھی تو میں نے بتایا کہ سرکار انہیں مال و دولت، زمین، مکان، کارخانہ سبھی کچھ دینے کو تیار ہے مگر انہیں لکھنے پڑھنے کا کام کرنے کی اجازت نہیں۔ مادام نے پہلے تو کوئی جواب نہ دیا۔ مگر دو منٹ بعد بڑی بلند آواز سے بولیں ''ہائے یہ تو ایسی بات ہے جیسے کوئی مجھ سے کہے تم گا نہیں سکتیں''۔**(۱)**

ہفت روزہ لیل ونہار نے اپنے زمانہ میں روشن خیال فکر کو پران چڑھانے کے لئے نہایت اہم اور بنیادی کردار ادا کیا۔ دورِ جبر میں ہکلاتے ہوئے لوگوں کی توانا آواز بن کر ان کے مفادات کا نہ صرف دفاع کیا بلکہ لوگوں کی سماجی اور سیاسی تربیت میں بھی بنیادی کردار ادا کیا۔ لیل ونہار کے اداریئے اور اُن میں پیش کیے گئے سیاسی تجزیئے مدیران کی سیاسی بصیرت اور علمی قابلیت کا بین ثبوت ہیں۔ لیل ونہار کے بہت سے کارناموں میں سے ایک کارنامہ ''فتویٰ جواب فتویٰ'' کی خصوصی اشاعت تھی۔ جس نے علمائے اسلام کی دوغلی اور دورخی شخصیت کو عوام پر آشکار کر دیا۔ یہ بڑی جرأت کا کام تھا اور بالخصوص ایسے معاشرے میں جہاں علماء یا ان کی فکر سے اختلاف گویا اسلامی تعلیمات وعقائد سے اختلاف تصور کیا جاتا ہو اس فتویٰ نمبر کے اجراء کے حوالے سے حسن عابدی لکھتے ہیں:

> ''مولوی صاحب نے جب ہر ترقی پسند اور ہر لبرل سیاست دان پر، پیپلز پارٹی کے کارکنوں پر اور بائیں بازو کی تنظیموں پر کفر کے فتوے جاری کرنے شروع کر دیے تو ہمیں پیپلز پارٹی کی حمایت میں بولنا پڑا۔ پھر جب باون علماء کا فتویٰ سامنے آیا تو اس کے جواب میں لیل ونہار نے فتویٰ نمبر چھاپا''۔**(۲)**

فتویٰ نمبر کی اشاعت کوئی آسان کام نہ تھا اور جتنا مواد اس میں شامل ہے اس کا ملنا ناممکن تھا۔ فتویٰ نمبر کی اشاعت کے خیال کے حوالے سے حسن عابدی کہتے ہیں:

> ''یہ سبط صاحب کا خیال تھا۔ بہت سارا مواد انہوں نے اپنی کوشش سے اور پرانی کتابوں سے اخذ کیا۔۔۔۔۔۔۔ یہ پرچہ ہم خیال لوگوں کے مالی تعاون سے شروع ہوا تھا''۔**(۳)**

اس سے قبل کہ ہم ''فتویٰ جواب فتویٰ'' کے حوالہ سے بات کو آگے بڑھائیں فویٰ کی مبادیات کو جان لینا

نہایت ضروری ہے تاکہ بات اپنی اصل سے واصل ہو کر معرفت کے در وا کر سکے۔ جہاں تک سوال ہے فتویٰ کا تو کسی بھی شرعی یا غیر شرعی سوال کے جواب دینے کو فتویٰ کہا جاتا تھا مگر بعد میں یہ شرعی احکام کے لیے خاص ہو گیا۔ فتویٰ کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے۔

"پیش آمدہ واقعات کے بارے میں دریافت کرنے والے کو دلیلِ شرعی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بارے میں خبر دینے کو فتویٰ کہتے ہیں"۔(۴)

لغوی اعتبار سے فتویٰ اسمِ مصدر ہے اور اس کی جمع فتاویٰ ہے۔ فتویٰ دینے والے شخص کو مفتی(۵) فتویٰ لینے والے کو مستفتی(۶) اور سوا کو استفتاء(۷) کہتے ہیں۔ فتاویٰ کی اقسام میں تشریعی فتاویٰ، فقہی فتاویٰ اور جزئی فتاویٰ شامل ہیں۔

تشریعی فتاویٰ سے مراد وہ فتاویٰ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے صادر ہوئے یہ فتاویٰ قرآن کی وحی جس کی تلاوت کی جائے یا احادیث کی وحی جس کی تلاوت نہ کی جاتی ہو کے ذریعے سے آئے اور یہ عام طور پر نبی کریمؐ کے دور میں کسی فوری مسئلہ کو بیان کرنے کے لیے آئے اور پھر عام شریعت کے قاعدے بن گئے۔ مثال کے طور پر:

"اور وہ آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں۔ عورتوں کے بارے میں، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے ان عورتوں کے بارے میں"۔(النساء ۱۲۷)

فقہی فتاویٰ وہ ہیں کہ فقہا میں سے کوئی فقیہ کس عمومی یا فرضی سوال کے جواب میں جس کا تعلق کسی جزئی واقعے سے نہیں ہوتا اور یہ اس فقیہ کا طریقہ کار ہوتا ہے وہ ایسی جزئیات کا تصور کرتا ہے جس کے بارے میں سوال نہی کیا گیا وہ احکام شرعی دلائل سے ایسے فتویٰ کو کسی کتاب یا رسالے میں کسی فرضی سوال کے جواب میں بیان کرتا ہے۔ جزئی فتاویٰ سے مراد ایسے فتاویٰ ہیں جو کسی متعین واقعے کے بارے میں سوال کے جواب میں دیے جاتے ہیں۔ جیسا کہ کسی شخص نے اپنے ورثاء میں بیوی ایک بیٹا اور والدین چھوڑے ہیں تو اس کے ترکے کو اس کے ورثاء میں کس طرح تقسیم کیا جائے گا؟ زیادہ تر فتاویٰ جزئی ہوتے ہیں۔

فتویٰ دینے والے کو مفتی کہا جاتا ہے عام مسلمان کو جب کسی دینی مسئلے میں رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ مفتی سے رجوع کرتا ہے۔ آپؐ کے دور میں جب صحابہ کرام کو کسی بات کے بارے میں معلوم کرنا ہوتا تھا تو وہ آپؐ سے رجوع کرتے تھے۔ یہ ذمہ داری قرآن پاک کی طرف سے آپؐ پر عائد کی گئی۔

ترجمہ ": آپ بیان کر دیجئے لوگوں کے سامنے وہ چیز جو ان کی طرف نازل کی

گئی''۔(۸)

فتویٰ دینے کا منصب نہایت اہم اور نازک ہے۔ فتویٰ کے کچھ اصول اور ضوابط ہوتے ہیں جن کی روشنی میں دینی مدارس و مراکز میں باقاعدہ تخصص کرایا جاتا ہے۔ فتویٰ دینے کے لیے باقاعدہ عملی مشق کرائی جاتی ہے اور جب تک علماء کو تخفص کرانے والے کی صلاحیتوں پر یقین نہیں آجاتا تب تک اس کو سند نہیں دی جاتی۔ اس سند کو تخصص الافتاء کہتے ہیں۔ ایک مفتی کیلئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذاتی زندگی میں بھی شریعت کا پابند ہو۔ متقی اور پرہیزگار ہو اور اپنی زندگی دین کے اصولوں کے مطابق گذارے اور کسی بھی شخص کو افتاء کی سند دینے سے پہلے ایسے ہی شخص کا انتخاب کیا جاتا ہے جس میں یہ تمام صفات موجود ہوں۔ کیونکہ وہ شریعت کی نشاندہی کرنے والا ہوتا ہے۔ مفتی جو فتویٰ بھی دیتا ہے وہ نیا قانون نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ ایسا کر سکتا ہے جو فتویٰ وہ دیتا ہے اس کا قرآن و حدیث اور کتبِ فقہ سے ثابت ہونا لازم ہے۔

یہاں اس بات کا جاننا بھی ضروری ہے کہ اکثر اوقات مفتی اور قاضی کو ایک ہی سمجھا جاتا ہے جبکہ دونوں میں فرق ہے۔ فتویٰ دینے والے کو مفتی جبکہ اس کو لازم کرنے والے کو قاضی کہتے ہیں۔ فتویٰ اور قضاء کے درمیان فرق ان باتوں سے واضح ہو جاتا ہے۔

۱۔ فتویٰ حکم شرعی کے صرف ظاہر کرنے اور بیان کرنے کو کہتے ہیں۔ سوال کرنے والے پر لازم نہیں ہوتا کہ وہ اس پر عمل بھی کرے۔ قضاء میں جس کو حکم دیا جاتا ہے اس پر لازمی طور پر عمل کرے۔

۲۔ فتویٰ اس سوال پر مبنی ہوتا ہے جو سائل مفتی کے سامنے پیش کرتا ہے اور وہ حکم شرعی ہوتا ہے جبکہ قضاء میں قاضی معاملے کی ہر طرح سے تحقیق و تفتیش کرتا ہے۔

۳۔ فتویٰ ان تمام معاملات میں جاری ہوتا ہے جن پر وجوب، حرمت، اباحت، ندُب، کراہت یا صحت اور بطلان مرتب ہوں۔ جبکہ قضاء ان تمام معاملات پر جاری نہیں ہوتی۔

۴۔ فتویٰ صرف احکامِ فقہ میں منحصر نہیں ہوتا بلکہ عقائد اور عبادات کے متعلق بھی ہوتا ہے۔ جبکہ قضاء عقائد اور عبادات کے متعلق نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ وہ حرف تابع ہونے کے آجائے۔

لیل ونہار کے ''فتویٰ جواب فتویٰ'' نمبر میں مختلف مکاتبِ فکر کے علماء کرام کے فتویٰ اور اُن پر نقد کو شامل کیا گیا ہے اور کچھ ایسے مضامین بھی شامل کیے گئے ہیں جو کہ عقلی اور سائنسی بنیادوں سے بحث کرتے ہوئے ان فتاوں کی اصل کو ہمارے سامنے لے کر آتے ہیں۔ ''اقبال اور ملا'' ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کی کتاب ہے اور زیر نظر مضمون ان کی اس

کتاب کی تخصیص ہے۔ یہ مضمون اس وجہ سے اس شمارے میں شامل کیا گیا کہ اس میں ان لوگوں سے متعلق فتاویٰ ہیں جن کو دائرہ اسلام سے خارج کیا گیا اور اس مضمون کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم علامہ اقبال کے افکار کو سامنے لے کر آئے کہ اقبال نے ملا کی جو اصلیت بیان کی ہے وہ صحیح ہے یا غلط۔ اقبال نے اپنی شاعری میں ملا کی جو فکر بیان کی ہے اس حوالے سے ان کی چند نظمیں ہیں جن میں "ایک مولوی صاحب کی سناتا ہوں کہانی" اور "ملا اور بہشت" بھی شامل ہیں۔

ان کی شاعری میں مولوی کی نفسیات کا تجزیہ ملتا ہے۔ سب سے پہلے تو یہ سوال اُٹھتا ہے کہ ملا کون ہے؟ چند آیات و احادیث رٹ لینے والا خود کو ملا سمجھنے لگتا اور جس کو چاہتا ہے کافر قرار دیتا ہے۔ کوئی شخص جو ملا کی رائے سے اختلاف کرتا ہے وہ کافر و مرتد ہے۔ ملا دوسروں کو تو شریعت کا درس دیتا ہے مگر خود شریعت کی قید سے آزاد ہے۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم لکھتے ہیں:

> "مولانا روم تو کہہ گئے تھے کہ ملا اور فقیہ ہڈیوں پر لڑتے ہیں مگر اقبال کا خیال تھا کہ یہ ان ہڈیوں پر لڑتے ہیں جو صدیوں سے چھوڑی ہوتی ہیں"۔(۹)

مفتیان کرام اور علماء دین کو ہم دین کے محافظ سمجھتے ہیں جبکہ اصل میں دین فروش ہیں۔ جو چند سکوں کے عوض اپنا دین بھول جاتے ہیں اور یہاں تک کہ حسین ابن علی کے خلاف قتل کا فتویٰ صادر کر سکتے ہیں تو وہ کیسے کسی کی خیر خواہی چاہیں گے۔ "رات میں نے قتلِ حسین پر بہت غور کیا" کے عنوان کے تحت اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ ابنِ زیاد جو کہ بصرے کا گورنر تھا نے قاضی شریح کو اپنے دربار میں طلب کیا اور کہا کہ حسین ابن علی کے خلاف قتل کا فتویٰ دیجئے قاضی شریح نے انکار کیا اور اپنا قلم دان اپنے سر پر دے مارا کہ میں کہاں اور فرزندِ رسول کہاں اور وہاں سے چلا گیا۔ رات کو ابنِ زیاد نے چند تھیلیاں بھیجیں صبح ہوئی قاضی شریح آیا تو ابنِ زیاد نے پھر وہی بات کی قاضی صرتح نے کہا کہ "رات میں نے قتلِ حسین پر بہت غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ انکا قتل کر دینا واجب ہے"۔(۱۰)

اتنا کہنے کے بعد قاضی شریح نے قلم اٹھایا اور حسین کے خلاف فتویٰ دیا۔

> "میرے نزدیک ثابت ہو گیا کہ حسین ابنِ علی دینِ سول سے خارج ہو گیا ہے اور واجب القتل ہے"۔(۱۱)

یہ واقعہ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مفتیان دین و مذہب میں بھی ایسے عناصر موجود رہے ہیں جو کہ اپنے ذاتی مفاد کی خاطر حقائق اور حق بات کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔

"قائد اعظم پر کفر کا فتویٰ" میں جناح پر علماء کرام کی طرف سے لگائے گئے کفر کے فتووں کا بیان ہے قائد اعظم کو لوگوں سے مساوی حسن سلوک کرنے کا درس دینے کی وجہ سے کافر قرار دے دیا گیا۔ قائد نے اپنے خطبے میں فرمایا تھا:

> "قرآن پاک میں انسان کو خلیفہ اللہ کہا گیا ہے اگر انسان کے متعلق اس بیان کی کوئی اہمیت ہے تو اس بنا پر ہمارے اوپر قرآن پاک کی پیروی فرض ہو جاتی ہے کہ وہ دوسرے کے ساتھ وہ سلوک کریں جو اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسان کے ساتھ کیا ہے۔ وسیع ترین مفہوم کے لحاظ سے ہر فرض محبت اور رواداری کا فرض ہے"۔ **(۱۲)**

قائد کے اس فرمان پر علماء کرام کی طرف سے یہ فتویٰ صادر کیا گیا۔

> "اس کفری عبارت میں مسٹر جینا نے ہر کافر و مسلم پر مذہب و بے دین کے ساتھ محبت رکھنا قرآنی فرض بتایا ہے۔۔۔۔ بحکم شریعت مسٹر جینا اپنے ان عقائد کفریہ کی بنا پر قطعاً مرتد اور خارج از اسلام ہے"۔ **(۱۳)**

"کیا اسلام اور کفر کا انحصار کا ذاتی ملکیت پر ہے؟" یہ مضمون سید محمد تقی کی تحریر ہے۔ اس مضمون کی اساس یہ ہے کہ:

> "جو لوگ انفرادی ملکیت کے تقدس سے منکر ہیں وہ کافر اور دینِ اسلام کے دائرے سے باہر ہیں چاہے وہ کلمہ شہادت پڑھتے ہوں اور نماز اور روزے کے پابند ہوں"۔ **(۱۴)**

یعنی ان مولویوں کے نزدیک نماز روزہ اور کلمہ شہادت بھی اہم نہیں۔ ان کے نزدیک اہمیت صرف ذاتی ملکیت کی ہے۔ کہ اگر کوئی مسلمان ہونا چاہتا ہے تو پہلے وہ ذاتی ملکیت کو مانے اور اگر صرف کلمہ شہادت اور نماز روزے کا پابند ہو گا تو وہ مسلمان نہ کہلائے گا۔ سید محمد تقی لکھتے ہیں:

> "اس فتویٰ کا ایک المناک رُخ یہ ہے کہ یہ پورا فتویٰ سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے دیا گیا ہے، فتوؤں کے ذریعے بعض سیاسی پارٹیوں کے لیے اسلام کو استعمال کرنا بڑی غیر صحت مندانہ روایت ہے"۔ **(۱۵)**

علماء کرام اسلام کو اپنے مفادات کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ ان کے نزدیک نماز روزہ اور کلمہ شہادت کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اپنے ذاتی مفاد کی خاطر کلمہ شہادت کو انفرادی ملکیت پر قربان کر ڈالا۔ انفرادی ملکیت کیا ہے؟ انفرادی ملکیت کا مطلب ذاتی جائیداد چاہے وہ جائز یا ناجائز طریقہ سے اکٹھی کی گئی ہو اس بات سے فرق نہیں پڑتا اگر کوئی بھی حکومت کسی شخص سے اس کی ذاتی ملکیت لیتی ہے تو وہ کفر کرتی ہے۔ اسلام کی رو سے ذاتی ملکیت کیا ہے۔

''اسلام کی رو سے ذاتی جائیداد اس ملکیت کو کہتے ہیں جو جائز ذرائع سے حاصل کی گئی ہو۔ ناجائز ذرائع سے حاصل کردہ دولت ذاتی ملکیت نہیں ہوتی اور اس لیے اس کا چھیننا کفر کا موجب تو کیا ہوتا عین اسلام ہے''۔**(۱۶)**

ان علماء کرام نے تو اسلام کو ذاتی مفاد کے لیے استعمال کیا ہے اور کرتے رہیں گے۔ یہ نام نہاد علماء کرام دین کے خیر خواہ نہیں بلکہ لوگوں کو غلط فتویٰ دے کر گمراہ کرنے والے ہیں۔ کیونکہ اسلام اور کفر کی بنیاد صرف کلمہ شہادت ہے اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

''مسلمان کو کافر قرار دینا خسارے کا سودا ہے'' ڈاکٹر شوکت سبز واری کا مضمون ہے۔ اس مضمون میں ایک مسلمان کو کافر کہنا اسلام کی رو سے کتنا بڑا گناہ ہے کہ حوالہ سے وضاحت کی گئی ہے۔ ڈاکٹر شوکت سبز واری سورۃ مائدہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں:

''اے ایمان والو! اپنی فکر کرو کسی دوسرے کی گمراہی سے تمہارا کچھ نہیں بگڑتا اگر تم خود راہِ راست پر ہو''۔**(۱۷)**

اس آیت سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار ہوگا۔ ہر شخص کو چاہیے اپنی فکر کرے نہ کہ دوسرے کی۔ مگر ہمارے علماء کرام تو دوسروں کی فکر میں ہی گھلتے جا رہے ہیں۔ اپنی آخرت سنوارنے کا کوئی ہوش نہیں بلکہ دوسروں کی زندگیاں عذاب میں ڈالی جا رہی ہیں۔ علماء کرام جب کسی کو کافر قرار دیتے ہیں تو ان کا موازنہ کیا جائیگا اور اگر یہ ہی کافر ٹھہرے تو کیا کریں گے۔ اس حوالے سے حضرت محمدؐ نے فرمایا:

''اپنے بھائی کو کافر کہنے سے دونوں میں سے ایک ضرور کافر ٹھہرتا ہے''۔**(۱۸)**

اس کا مطلب یہ ہوا کہ آخرت میں ان علماء کرام کا موازنہ ان سب سے کیا جائیگا جن کو انہوں نے کافر ٹھہرایا اور اگر یہ خود کافر قرار دے دیے گئے تو کیا کریں گے۔

''افسانۂ منصور حلاج'' اس مضمون کو لیل و نہار میں شامل کرنے کی وجہ وہ فتویٰ ہے جو حسین بن منصور حلاج پر لگایا گیا اس فتوے کی وجہ خلیفہ کا وزیر حامد تھا جو حسین کی درویشی اور نیک نامی کی وجہ سے اس کے مخالف تھا۔ اس نے منصور پر ملحد اور مرتد ہونے کا مقدمہ پیش کیا جو سات مہینے تک چلا۔ قاضی ابو عمر نے حسین کو موت کی سزا دی۔ اس فتوے اور موت کی سزا سنانے کے بعد بھی مخالفین کو سکون نہ ملا۔ جب لوگوں سے دوسروں کا سکون اور خوشی برداشت نہیں ہوئی تو وہ دوسرے کے مخالف ہو جاتے ہیں۔ حامد کی بیوی منصور حلاج کو پسند کرتی تھی اور اسی وجہ سے

اس نے اپنے بیٹے کا نام حسین رکھا۔ ذاتی مخالفت کی بنا پر حامد نے حسین کو موت کی سزا دلوائی۔ کیا کوئی شخص ذاتی مخالفت پر کسی کو قتل کروا سکتا ہے اور علماء جو قتل کا فتویٰ دیتے ہیں کیا وہ اندھے ہیں۔ حضرت محمدؐ کا قول ہے:

"اسلام اور کفر کا انحصار محض کلمہ شہادت ہے اور کچھ نہیں"۔

مگر یہ علماء اور قضاء اس کے علاوہ ہر بات کو کفر میں شامل کرنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔

سر سید احمد خان نے برصغیر میں مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے بہت کام کیا۔ وہ مسلمانوں کو انگریزوں اور ہندوؤں کے مقابل لانا چاہتے تھے۔ سر سید احمد خان کا خیال تھا کہ:

"مسلمانانِ ہند کی نجات و ترقی کے لیے نہایت ضروری ہے کہ وہ مغربی تعلیم و تہذیب کو اختیار کریں"۔**(۱۹)**

"لاؤڈ اسپیکر کے خلاف فتویٰ" یہ تحریر راشد چودھری کی ہے جس میں انہوں نے لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھانے کو غلط کہا ہے اور اس آواز کو شیطانی آواز کہا ہے۔ شیطانی آواز سے ان ملاؤں کی کیا مراد ہے؟ ایک امام اگر اپنی مسجد لوگوں کی سہولت کے لیے لاؤڈ سپیکر کا اہتمام کرتا ہے تو وہ غلط ہے اور اس پر جو خطبہ پڑھتا ہے وہ آواز شیطانی آواز ہے۔ شاید مولوی یہ نہیں جانتے کہ جو خطبہ دیا جاتا ہے اس میں قرآنی الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں اور انہیں آوازوں/الفاظ کو شیطانی کہا گیا ہے۔ دورِ حاضر میں ہر مسجد میں چار چار سپیکر لگے ہیں اب کہاں ہیں ان مولویوں کے فتوے بلکہ انہوں نے تو اس فتوے کے کچھ دن بعد ہی اپنی مساجد میں لاؤڈ سپیکر لگوا لیے۔

"یک نہ شد دو شد" زیر نظر مضمون میں سوشلزم کے حوالے سے بحث کی گئی ہے اور ایک مفتی فتویٰ لے کر آ گئے۔ سوال کچھ اس طرح سے تھا کہ ایک شخص سوشلزم کو جامع نظام حیات نہیں مانتا صرف اقتصادی حیثیت دیتا ہے کیا وہ کافر ہے تو اس کے جواب میں مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں:

"ایسے شخص کو کون کافر کہہ سکتا ہے۔ جب اسلام میں وہ چیز موجود ہے تو پھر سوشلزم کا تبرک اس میں شامل کرنا کون سی عقلمندی ہے"۔**(۲۰)**

پہلے مفتیان کرام کیا کم تھے جو اب ایک اور آ گئے اور انہوں نے سوشلزم کو بیوقوفی کہا ہے۔ ان مفتیان دین سے کسی بھی قسم کی خیر کی امید رکھنا اصل بیوقوفی ہے۔ ان کو اسلام کی اصلاح کا کام سونپا گیا مگر یہ لوگ اپنی ہی دکانیں کھول کر بیٹھ گئے ہیں اور اپنے مفاد کیلئے مسلمان کو بھی کافر قرار دے رہے ہیں۔ ایک مسلمان کے لیے سب سے ضروری خدا اور رسول پر ایمان ہے نہ کہ اس کے اقتصادی نظام کو اچھا سمجھنا اور اس پر خاموش رہنا۔ اگر کوئی اسلام کے اقتصادی

نظام کو ناقص کہتا ہے تو وہ غلط ہے اور ایسا کہنا صریح کفر ہے۔

اس علماء کرام کا اپنا علم تو کچھ بھی نہیں۔ جہاں اپنا نقصان ہوتا نظر آیا وہاں ایک فتویٰ دے دیا اور اپنے جیسے باقی مفتیان کرام سے بھی دستخط کرا لیے۔ یہ لوگ ابھی تک ان فرسودہ روایات پر اٹکے ہیں۔ جدید علوم سے ان کو کوئی غرض ہیں اور اگر کوئی جدید علم کی بات کر دے تو وہ کافر ہو گیا۔۔ ان کے مطابق زمین ساکن ہے اور سائنس اگر ثابت کر دے کہ زمین ساکن نہیں تو ایسا کہنے والا بھی کافر ہے۔ ان علماء کے نزدیک اسلام صرف چور کے ہاتھ کاٹنے تک ہی محدود ہے یا اس سے زیادہ جہاں انکو ضرورت ہو وہاں ایک سے زیادہ ازدواج رکھنے میں ہے اور چور کے ہاتھ بھی یہ تب کاٹتے ہیں جب چوری کرنے والا ان میں سے شامل نہ ہو۔ ناجائز طریقے سے انفرادی ملکیت بنانا چوری نہیں بلکہ عین اسلام ہے۔ یہ لوگ فتوے تو دیتے ہیں اور وہ بھی ذاتی ملکیت کی بنا پر اور کوئی بات ان کے نزدیک اہم نہیں۔ ملک میں بھوک اور افلاس نظر نہیں آتا۔ حضرت عمر نے فرمایا تھا کہ میرے دورِ خلافت میں اگر ایک کتا بھی بھوکا مر گیا تو میں ذمہ دار ہوں مگر اب کے دور حاضر کے حکمران اپنے خزانے جمع کر رہے ہیں ملک کو لوٹ رہے ہیں اور عوام کا پیسہ ہی کھا رہے ہیں اور یہ عین اسلام ہے اس کے تقدس سے انکار کرنے والا کافر ہے۔

''فتویٰ تکفیر کا شرعی جائزہ'' مولانا محمد نصیر شادانی نے یہ مضمون فتویٰ تکفیر کا شرعی جائزہ اس وجہ سے لکھا کہ قرآن و سنت سے ہی واضح ہو سکے کہ کسی کو کافر قرار دینا کیسا ہے اور ان مولویوں کی اصلیت سامنے آ سکے جو ہر دوسرے مسلمان کو کافر ٹھہرانے پر تلے ہیں۔ کفر کے فتویٰ لگانا ان مولویوں نے اپنا مشغلہ بنا لیا ہے اور یہ کفر کے فتوے محض ذاتی اختلافات کی بنا پر دیے جاتے ہیں۔ اس حوالے سے قرآن کریم میں ہے:

''اور جو شخص تمہیں سلام کہے تم اُسے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں ہے''۔**(۲۱)**

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

''جو شخص کسی مسلمان پر کفر کی تہمت لگائے تو گویا وہ اس کا قاتل ہے''۔**(۲۲)**

ان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کسی کو کافر قرار دینا معمولی بات نہیں اور اگر کسی کو کافر کہا جائے تو وہ اس کا قاتل ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ہر دوسرا مولوی و مفتی قاتل ہے۔ کفار کے ہاتھوں اتنے مسلمان قتل نہیں ہوں جتنے خود مسلمانوں نے ہی مسلمانوں کا خون کیا۔ ان تمام باتوں کے بعد ان اہلِ فتویٰ کی کیا اہمیت باقی رہ جاتی ہے۔ علماء کرام خود ہی اس معاشرے میں اپنی سبکی و خفت کا باعث بنتے ہیں۔ اس سے زیادہ برا کوئی کسی کے ساتھ کیا کر سکتا ہے۔ دین کو محض سیاست اور ذاتی مفاد کی بنا پر استعمال کرنا مذہب کی توہین ہے۔

''استفتاء(۱۱۳ علماء کی خدمت میں)''استفتا احمد بشیر کی تحریر ہے جس میں انہوں نے ان ۱۱۳ علماء سے سوال کیا ہے کہ ذاتی ملکیت کیا ہے۔ اس میں انہوں نے ان تمام اکتیس خاندانوں کا ذکر کیا ہے جن کے پاس پاکستان کی صنعتی دولت جو کہ ۲۴ ارب روپے ہے میں سے بیس ارب روپے کی مالیت کے مالک ہیں اور ان اکتیس خاندانوں کا کہنا ہے کہ یہ دولت انہوں نے اپنی محنت سے حاصل کی ہے۔ یعنی جو ملیں ہیں بینک ہیں وہ انہی اکتیس خاندانوں کی ملکیت ہیں۔ اب سوال تو یہ پیدا ہونا چاہیے کہ انہوں نے اس کو اپنی ملکیت کیسے بنایا۔ پاکستان کے وجود میں آتے ہی یہ ان کی ملکیت تھی اور ان کی محنت کی کمائی ہے۔ خود تو یہ خاندان عیاشی کی زندگی گذارتے ہیں مگر باقی ہر پاکستانی کو امریکہ کا مقروض کر رکھا ہے اور روپے کی قیمت گھٹنے کے ساتھ ساتھ ہر پاکستانی پر قرض بڑھ رہا ہے احمد بشیر نے جو پہلا سوال کیا وہ یہ ہے:

> ''سوال یہ ہے کہ ان طاقتور لوگوں اور ان اکتیس خاندانوں کی دولت کے بارے میں جو مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی شکست وریخت کے ذمہ دار ہیں اور جنہوں نے ہر پاکستانی کو دو سو روپے کا مقروض کیا ہے شرعی فتویٰ کیا ہے''۔**(۲۳)**

اب اگر یہاں علماء کرام فتویٰ دیں گے بھی تو انہی اکتیس خاندانوں کے حق میں اور اس انفرادی ملکیت کے تقدس کو نہ ماننے والے کو کافر قرار دے دیا جائیگا اور اگر علماء کرام یہ سب نہیں کریں گے تو ان کا گذارہ کیسے ہوگا۔ جن زمینوں کو یہ لوگ اپنی محنت کی کمائی بتاتے ہیں وہ محنت ملت اسلامیہ سے غداری ہے۔ جس کے عوض انگریزوں نے ان خاندانوں کو مالا مال کیا۔ اگر اسلام کی تاریخ پر ایک نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ کسی بھی خلیفہ نے کسی کو بھی ذاتی ملکیت کا حق نہیں دیا اور نہ ہی اسلام اس کی اجازت دیتا ہے۔ اسلام تو بانٹنے کا درس دیتا ہے مگر یہ لوگ ملک کی دولت پر سانپ بن کر بیٹھ گئے ہیں۔

''دارالعلوم دیوبند کے بانی اور مہتم کے خلاف کفر کا فتویٰ''ہندوستان میں برطانوی سامراجیت کے دورِ استبداد میں حضرت شاہ ولی اللہ کی تحریک کو جاری رکھنے، مسلمانانِ ہند کے جداگانہ تشخص کو برقرار رکھنے، مسلک حنفیہ کی سند تدریس کو منور رکھنے، دشمنان اسلام، مشرکین ہندوستان اور عیسائی مبلغین کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملانے کا بیڑا جس ادارے نے اٹھایا وہ دیوبند مکتبہ فکر ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی تھے اور دارالعلوم دیوبند کے مہتم قاری طیب تھے۔ ان دونوں حضرات پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا اور جس مفتی نے لگایا وہ مفتی سید مہدی حسین صاحب تھے اور دارالعلوم کے مفتی تھے۔ ان دونوں حضرات کو کافر کہنے والے سید مہدی حسن ہیں جنہوں نے اپنے قلم سے فتویٰ دیا۔ ان پر کفر کا فتویٰ لانے کی وجہ ان کی کتب کے اقتباسات تھے جن کی تحقیق کیے بغیر مفتی نے ان پر کفر کا فتویٰ جاری کر

دیا۔ قاری محمد طیب پر کفری کا فتویٰ ان کی کتاب ''اسلام اور مغربی تہذیب'' کا اقتباس بنا۔ جس کی تحقیق کئے بغیر فتویٰ صادر کر دیا گیا اور کافر قرار دے دیا گیا۔ یہ مفتیانِ کرام تو ایک دوسرے کو نہیں چھوڑتے کافر قرار دے دیتے ہیں تو ایک عام مسلمان کو پتا نہیں کیا کہیں گے۔ کسی کو بھی کافر قرار دینے سے پہلے ضروری ہے کہ تحقیق کی جائے مگر ان کے حالات دیکھ کر ان کی سوچ اور جذبہ تحقیق پر صرف ماتم کیا جا سکتا ہے۔ ان سے صحیح کام کی توقع کرنا بیوقوفی ہے۔

''یورپ میں مذہبی عدالتوں کی وحشیانہ سزائیں'' مذہبی عدالتوں کا آغاز تو چوتھی صدی میں ہو گیا تھا مگر سب سے زیادہ مظالم دسویں صدی میں کیے گئے۔ یورپ میں مذہبی عدالتیں بنانے کا مقصد بدعتیوں کو سزا دینا تھا۔ کوئی بھی شخص جو کیتھولک مذہب کے بنائے ہوئے اصولوں کے خلاف جاتا سخت سزا پاتا۔ اس کو زندہ جلا دیا جاتا یا پھانسی دے دی جاتی۔ تیرہویں صدی میں جب پوپ گریگوری نہم کی حکومت تھی اس نے نیا قانون بنایا جس میں بدعتیوں کو سخت سے سخت سزا دی جاتی زندہ جلانا جلا وطن کرنا اور ان کی جائیدادیں ضبط کرنا تھا۔ اصل مقصد تو ان لوگوں کا جائیداد ضبط کرنا ہی تھا جس سے سب کا فائدہ ہوتا حکومتی خزانے میں اضافہ ہوتا تھا۔ ملزم کو مجرم بنا ہی دیا جاتا تھا۔ مذہب کے نام پر آج تک ہزاروں لوگ قتل ہوتے آئے ہیں اور مذہب کے نام پر ہی لوگوں کو اذیتیں دی جاتی ہیں کوئی بھی مذہب جسمانی تشدد کی اجازت نہیں دیتا۔ مگر پوپ جیسے حکمران ہوں تو کوئی بھی اذیت سے کیسے بچ سکتا ہے۔ ان لوگوں کا اصل مقصد تو دوسروں کی جائیدادیں ضبط کرنا تھا جس سے حکمران کا بھی فائدہ ہوتا اور جج اور منصفوں کا بھی۔ اس حوالے سے مسلم ضیائی لکھتے ہیں:

> ''جس شخص کو سزا دی جاتی اس کی جائیداد ضبط کر لی جاتی۔ اس جائیداد میں پوپ کا بھی حصہ ہوتا۔ چونکہ ضبط شدہ جائیدادوں سے بادشاہوں کی آمدنی میں اضافہ ہوتا تھا اس لیے انہیں بھی اس قسم کی عدالتوں سے دلچسپی تھی''۔ (۲۴)

ان بادشاہوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کوئی معصوم اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے فرق پڑتا ہے تو اس بات سے کہ ان کے خزانے میں کوئی کمی نہ ہو۔ وہ اور حکمران تھے جو رات کو گلیوں میں گشت کرتے تھے کہ کہیں کوئی بھوکا تو نہیں۔ مگر ان جیسے حکمران صرف اپنے بارے میں سوچ سکتے ہیں۔ دورِ حاضر کی صورت حال بھی اس سے مختلف نہیں۔

''مولانا مودودی کے فتوے'' یہ مضمون ابوالبیان کی تحریر ہے جس میں انہوں نے مولانا مودودی کے چند فتاویٰ پر نظر ڈالی ہے۔ مولانا مودودی کا اصل نام سید ابو الاعلیٰ مودودی تھا۔ مشہور عالم دین مفسرِ قرآن اور جماعت اسلامی کے بانی تھے۔ مولانا مودودی کو دینا بھر میں ان کی تصانیف سوچ اور فکر کے حوالے سے جانا جاتا ہے۔ ان کی

تصانیف نے پوری دنیا کی اسلامی تحاریک کے ارتقاء میں گہرا اثر ڈالا اور بیسویں صدی کے مجدد ثابت ہوئے۔ مولانا مودودی نے ۷۵ سال عمر پائی اور اپنی ۷۵ سالہ زندگی میں انہوں نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ ان کی پہلی تصنیف ''الجہاد فی الاسلام'' ہے جو انہوں نے چوبیس سال کی عمر میں لکھی۔

مولانا مودودی جمہوریت کی سخت مخالفت کرتے تھے۔ جمہوریت کی مخالفت میں مولانا مودودی کہتے ہیں کہ :

> ''موجودہ زمانے میں جتنے جمہوری نظام بنے ہیں وہ اس مفروضے پر مبنی ہیں کہ باشندگانِ ملک اپنی دنیوی معاملات کے متعلق تمدن، سیاست، معیشت، اخلاق اور معاشرت کے اصول خود وضع اور ان پر تفصیلی قوانین اور ضوابط بنانے کا حق رکھتے ہیں۔۔۔۔۔ اس جمہوری طریقے کو قبول کرنا گویا عقیدہ توحید سے منحرف ہو جانا ہے''۔**(۲۵)**

کہیں پر انفرادی ملکیت کے تقدس سے انکار کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص مسلمان نہیں تو کہیں جمہوریت کو قبول کرنا عقیدہ توحید سے منحرف ہونا ہے۔ ان ملاؤں کا اپنا کیا عقیدہ ہے؟ سب اپنا اپنا راگ الاپتے نظر آتے ہیں ایک بات پر متفق نہیں ہوتے کوئی انفرادی ملکیت سے انکار کو عین کفر سمجھتا ہے تو کوئی جمہوری نظام کو ماننے کو عقیدہ توحید سے منحرف ہو جانا قرار دیتا ہے جس کا مطلب بھی کفر ہی ہے۔ صرف یہی نہیں مولان مودودی صاحب تو مسلم سوسائٹی کو چڑیا گھر قرار دیتے ہیں۔ ان کی نظر میں مسلمان چیل، کوے اور گدھ ہیں۔ مسلم سوسائیٹی کو جاہلیت کا دروازہ کہتے ہیں اور پاکستان کو اسلامی ریاست سے کافرانہ ریاست بنا دیا ہے۔ یہ حال تو مولانا مودودی صاحب کا ہے باقی عالم دین بھی کچھ پیچھے نہیں۔ مولانا مودودی نے مسلم سوسائٹی کے بارے میں جو کچھ کہا وہ یہ ہے :

> ''آپ اس نام نہاد مسلم سوسائٹی کا جائزہ لیں گے تو اس میں آپ کو بھانت بھانت کا مسلمان نظر آئیگا۔ مسلمان کی اتنی قسمیں ملیں گی کہ آپ شمار نہ کر سکیں گے۔ یہ ایک چڑیا گھر ہے جس میں چیل، کوے، گدھ، تیتر اور بٹیر ہزاروں قسم کے جانور جمع ہیں اور ان میں سے ہر ایک چڑیا ہے''۔**(۲۶)**

مولانا صاحب نے اپنے ہی مذہب کے لوگوں کے بارے میں اس طرح کہا ہے۔ یعنی مسلمان جانور ہے یا پرندہ ہے۔ گدھ، چیل اور کوے تو کہہ چکے ہیں۔ اب کوئی ان علماء سے یہ پوچھے کہ ان مسلمانوں کی رہنمائی کرنے کا ٹھیکہ تو آپ لوگوں کے پاس ہے تو آپ نے ان کو انسان کیوں نہ بنایا۔ چیل، کوے اور گدھ کیوں بننے دیا۔ مولانا مودودی قائدِ اعظم کے سخت خلاف تھے۔ مگر نام لے کر ان کے خلاف کچھ کہنے کی جرأت نہ تھی۔ ''کچھ قیادت کے بارے میں'' مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ :

"وہ لوگ جو سرے سے اسلام کا علم ہی نہیں رکھتے ہوں یا ناقص علم کی بنا پر۔۔۔۔۔۔۔۔۔سراسر اسلام سے جہالت اور غیر اسلامی ذہنیت ہے"۔**(۲۷)**

مولانا مودودی پاکستان بننے کے سخت خلاف تھے۔ مگر پاکستان بننے کے بعد جو صورتحال سامنے آئی وہ کچھ یوں تھی کہ مولانا مودودی اور ان کی جماعت کے لوگ پاکستان کے معمار بن جاتے ہیں۔ پہلے پاکستان کو کافرانہ ریاست کہا اور پھر اس سے ہی مکر گئے اور پاکستان کو بنانے کے دعویدار بھی خود ہی ہو گئے۔ ان مولاناؤں سے بھلائی کی توقع رکھنا فضول ہے۔ خود تو یہ لوگ بدلنے والے نہیں اور اپنے مفاد کے لیے ایسی ایسی باتوں کو شریعت میں لے کر آتے ہیں جو کبھی تھیں ہی نہیں۔

"کیا یہ سب کافر ہیں؟" یہ مضمون شورش کاشمیری نے ہفت روزہ رسالہ چٹان میں شامل کیا تھا۔ اس مضمون کو پیش کرنے کا مقصد یہ اس گروہ کی نشاندہی کرنا تھا جو فتنہ پھیلا رہے تھے اور مسلمانوں کو کافر قرار دینا اپنے اوپر فرض کر لیا تھا۔ جب چٹان نے یہ مضمون شائع کیا تو ان لوگوں نے چٹان کے ایڈیٹر کو گالیوں سے نوازا اور دھمکیاں بھی دیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو خود کو عالم دین اور دین کے محافظ کہتے ہیں۔ ان میں سب سے آگے اصاغر بریلی تھے اور انہوں نے یہ تک فتویٰ دے دیا کہ ہندوستان دارالسلام ہے۔ ان جیسے لوگوں کو ہندوستان تو دارالاسلام لگتا ہے مگر پاکستان کافرانہ ریاست ہے۔ اسی گروہ نے اپنے علاوہ ان تمام علماء کو کافر قرار دیا جو حق پر تھے۔ شیعہ حضرات کے خلاف ایک فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

"وہ علی العلوم کفار و مرتدین ہیں، ان کے ہاتھ کا ذبیحہ مردار ہے، ان کے ساتھ مناکحت نہ صرف حرام ہے بلکہ خالص زنا ہے، معاذ اللہ مرد رافضی اور عورت ان خبیثوں میں کی ہو جب بھی ہرگز نکاح نہ ہو گا، محض زنا ہو گا"۔**(۲۸)**

کوئی بھی مذہب خواہ وہ سامی ہو یا الہامی انسانیت کے خلاف درس نہیں دیتا بلکہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کی ترکیب دیتا ہے۔ مذہبی طبقہ سے وابستہ وہ لوگ جو کہ کوتاہیِ علمی کا شکار ہیں اپنے جہل کے باعث مذہب کی ایسی تعبیر پیش کرتے ہیں جو کہ اصل سے قریب کا علاقہ بھی نہیں رکھتی اور انسانیت اور رواداری کی بجائے انتہا پسندی اور جہالت کا باعث بنتی ہے جب تک نقل کی جگہ پر عقل کو فوقیت نہیں دی جائے گی ایسی ہی صورتحال سامنے آتی رہی گی۔ "لیل و نہار" نے اپنے زمانہ میں اس خصوصی اشاعت کے ذریعے سماج کے فکری جمود کو تحرک میں تبدیل کرنے کی ایک سعی کی تھی۔ موجودہ حالات اس بات کے متقاضی ہیں کہ سوال کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے معاشرے میں مکالمے کی فضاء کو پیدا کیا جائے تاکہ سائنسی طرزِ فکر اور انسان دوستی کو فروغ حاصل ہو۔

حوالہ جات

۱۔ حمد اختر، احوال دوستانہ، ماورا پبلشرز بہاولپور روڈ، لاہور، ص ٦٧

۲۔ حسن عابدی، جنون میں جتنی بھی گذری، ترتیب وتدوین سید جعفر احمد، پاکستان سٹڈی سینٹر، جامعہ، کراچی، ۲۰۰۵ء، ص ۱۰۵

۳۔ ایضاً، ص ۱۰۵

۴۔ شیخ، حسین محمد ملاح، الفتویٰ نشاتہاو تطورھا، ج الف، ص ۳۸۹، دار الفکر، دمشق

۵۔ بلیاوی، عبد الحفیظ، مصباح اللغات، ص ٦١٨، قدیمی کتب خانہ کراچی۔

٦۔ فیروز الدین، فیروز اللغات، ص ۹۱، فیروز سنز، لاہور

۷۔ مصباح اللغات، ص ٦١٨

۸۔ النحل ۴۴

۹۔ لیل ونہار، فتویٰ نمبر، شمارہ نمبر ۹، ۱۹ اپریل ۱۹۷۰ء، ص ۸

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۱

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۱

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۳

۱۳۔ ایضاً، ص ٦٦

۱۴۔ ایضاً، ص ۲۱

۱۵۔ ایضاً، ص ۲۱

۱٦۔ ایضاً، ص ۲۱

۱۷۔ ایضاً، ص ۲۵

۱۸۔ ایضاً، ص ۲۵

۱۹۔ ایضاً، ص ۴٦

۲۰۔ ایضاً، ص ۴۷

۲۱۔ ایضاً، ص ۳۱

۲۲۔ ایضاً، ص ۳۱

۲۳۔ ایضاً، ص ۳۴

۲۴۔ ایضاً، ص ۵ ۶

۲۵۔ ایضاً، ص ۶۷

۲۶۔ ایضاً، ص ۶۷

۲۷۔ ایضاً، ص ۶۸

۲۸۔ ایضاً، ص ۷۰